الایام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی جلد: ۱شمارہ: ۲، جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۰

ایمان اور عمل صالح کا باہمی تلازم

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

دین کچھ چیزوں یا حقائق کو فقط مان لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ مکمل طرز زندگی سے عبارت ہے۔ اس بات کو دو لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ دین نام ہے ایمان اور عمل صالح کا۔ عمل صالح، ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ ایمان جب دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو پوری زندگی میں عملِ صالح کی بہار آجاتی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے زبانی دعویداروں کا وجود، خود دورِ نزول قرآن میں بھی ملتا ہے۔ سورہ حجرات کی چودھویں آیت میں کچھ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اپنے زبانی ایمان کے مدعی تھے۔ مگر انہیں زبانِ رسالت سے کہلوادیا گیا کہ وہ ابھی قرآن کے مطلوب مسلمان نہیں بنے ہیں۔ کیوں کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ نیز بتایا گیا کہ سچے مسلمان وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اپنے ایمان میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے۔ اور اپنے نفوس و اموال سے اللہ کی راہ میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ وہی سچے مومن ہیں، کیونکہ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ زیر نظر مضمون میں ''ایمان اور عمل صالح کا باہمی تلازم'' قرآن مجید کی متعدد آیات کے ذریعے بالصراحت بیان کیا گیا ہے۔ اور اس تلازم کو جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ متقدمین کے نقطہ ہائے نظر کو زیر بحث لائے بغیر، نہایت سچائی اور سادگی کے ساتھ، قرآنی فہم کے مطابق حقائق کو زیر بحث لانا اس لیے مقصود ہوا کہ اسلاف کی قیل وقال میں مطلوب شے کبھی کبھی گم ہوکر رہ جاتی ہے۔ اور فروعی مباحث، اصل مبحث کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے فقط قرآن مجید کو بنیاد بنا کر ایمان اور عملِ صالح کی باہمی ضرورت و اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔

ایمان بجائے خود ایک عملی نظریہ ہے۔ یہ کسی چیز یا حقیقت کو فقط مان لینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اسے اپنے کردار سے ظاہر کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ (الحجرات ۱۵/۱۴) یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ایمان کے فوراً بعد عمل صالح کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔عمل صالح کے بغیر کامیابی کا تصور بے معنیٰ ہے کیونکہ قرآن کی متعدد آیات سے یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

قرآن تمام انسانوں اور زمانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے اور اچھی اور کامیاب زندگی کے لیے ہر دور کے انسانوں کو اس کی ضرورت ہے۔ کامیابی کے لیے فقط ایمان کافی ہے یا ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ یہ پرانے وقتوں کی بحثیں ہیں، جو آج بھی جاری ہیں۔ دونوں نظریات کے حاملین اپنی پشت پر متعدد بزرگوں کا حوالہ رکھتے ہیں اور یوں مسلمانوں کے قرآنی عقائد "زندہ قوت" کے طور پر نہیں بلکہ علم کلام کی اختلافی بحث کے طور پر زندہ ہیں۔ اور یہی اس قوم کا المیہ ہے۔

پیشِ نگاہ مضمون میں متکلمانہ قیل وقال سے ہٹ کر خالصتاً قرآن کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح میں باہمی مطابقت لازمی ہے۔ یعنی عمل، ایمان کا غماز اور ایمان، عمل کا مظہر ہے۔ اور یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ بے عملی یا بدعملی قرآنی ایمان کے منافی ہے۔ صرف نام کا مسلمان ہونا کسی شرف کی بات نہیں ہاں کام کا مسلمان ہونا واقعی شرف کی بات ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ اب ایک ارب سے زائد نام کے مسلمانوں میں کام کے مسلمان مشکل سے ملتے ہیں۔

"مومنوں" کا عملِ صالح سے محروم ہونا ان کے بے صلاحیت اور بیکار ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ صالحیت دراصل قابلیت و صلاحیت اور مناسبت و موزونیت کی طلب گاری کا نام ہے۔ جس قوم کے اعمال غیر صالح ہوں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اپنے من میں وہ ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو عمل صالح کا محرک ہو۔ قرآن ہم سے ایسے ہی ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔ اور ایسے ہی مومنوں کو جنت کا مژدہ سُناتا ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں درج ذیل آیات کا مطالعہ کیجئے اور یہ بھی دیکھئے کہ وہ اپنے محور کے گرد کس طرح گھوم رہی ہیں۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوامن قبلکم مستھم البا ساء والضراء وزلزلوا حتیٰ یقول الرسول والذین امنوا معه متیٰ نصرالله الا ان نصرالله قریب۔ (البقرہ ۲۱٤/۲)

(کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر پچھلوں کی سی رُوداد نہیں گزری، ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ بری طرح ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ رسولِ وقت بھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی؟ سنو! کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔)

اس آیت میں داخلہ جنت کو مصائب و شدائد جھیلنے اور بُری طرح جھنجھوڑے جانے سے مشروط کیا گیا ہے۔ یہاں زلزلہ سے مراد، ان شدائد کا آنا ہے۔ جو جنگوں میں پیش آتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جنگِ احزاب کے ذکر میں آیا ہے۔

هنالك ابتلى المومنون وزلزلوازلزالاً شديداً۔ (الاحزاب/۱۱)

(اُس مقام پر مومنوں کو آزمایا گیا اور انہیں نہایت سخت جھٹکے دیئے گئے۔)

مطلب یہ کہ دین کے قیام میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جن کا مقابلہ صرف اظہار عقائد سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے مناسب و موزوں، صلاحیت و قابلیت والے اعمال اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ نظامِ طاغوت سے ٹکر لینی پڑتی ہے۔ معرکہ آرائی کے لیے میدانِ جنگ میں کودنا پڑتا ہے۔ غرض اس راہ میں بڑی سختیاں آتی ہیں۔ جنھیں حوصلہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ سچ ہے:

یہ شہادت گہہ الفت میں ہے قدم رکھنا
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

واذالقوا الذين امنوٰ قالوٰ امنا واذاخلوٰ الیٰ شيا طينهم قالوٰ انامعكم انمانحن مستهزؤن۔ الله يستهزئ بهم ويمدهم فى طغيا نهم يعمهو ن۔(البقرہ/۱۴۔۱۵)

(اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ہم (اصل میں تو) تمہارے ساتھ ہیں۔ ایمان والوں سے تو ہم استہزاء کرتے ہیں۔ اللہ انہیں استہزاء کی سزا دیتا ہے۔ (بایں صورت کہ) انہیں ڈھیل دیتا ہے (تا کہ وہ خود اپنے انجام تک پہنچیں) پس وہ خود اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔)

آیات مذکورہ میں ایمان کے ان دعویداروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اپنے عقائد و اعمال میں دوھرے معیار کے حامل تھے۔ مومنوں کے سامنے زبان سے مومن اور کافروں کے سامنے دل اور زبان دونوں سے کافر تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف زبانی دعویٰ کا نام نہیں بلکہ دل کی تصدیق اور اپنے اعضاء و جوارح سے ایمان کے مقتضیات کی تعمیل کا نام ہے۔ جسے قرآنی اصطلاح میں 'عمل صالح'

کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ استہزاء فعل اور جواب فعل دونوں کے لیے آیا ہے۔ پہلا استہزاء منافقوں کا فعل ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا۔ اور یہ عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ جیسے جزاء سیئة سیئة مثلها۔ یخادعون اللّٰہ وھو خادعھم۔ ومکروا و مکراللّٰہ، وغیرہ آیات ہیں۔

وبشرالذین امنوا وعملوالصلحت ان لهم جنت تجری من تحتها الانهار۔ (البقرہ / ۲۵)

(اور انہیں خوشخبری دے دیجئے، جو ایمان لائے اور صلاحیت بخش امور انجام دیے کہ ان کے لیے باغات ہیں، جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔)

آیتِ مذکورہ میں جنت کا وعدہ صرف عقیدہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اُس عقیدہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے، جو عمل صالح کی شکل میں ظاہر ہوا ہو۔ عقیدہ و عمل کا باہمی تلازم اسی کا نام ہے۔ ایمان ایک بنیاد ہے اور عمل اُس بنیاد کی تعمیر۔ جس بنیاد پر کوئی تعمیر نہ ہو۔ وہاں کوئی رہائش اختیار نہیں کرتا۔ کیوں کہ رہائش کے لیے عمارت ضروری ہے۔ قرآن مجید نے عقیدہ و عمل کو اکثر و بیشتر مقامات پر اکٹھا ذکر کر کے یہی حقیقت سمجھائی ہے۔ مگر اتنی واضح اور کھلی حقیقت کو ہمارے ہاں جس طرح بیان کیا گیا ہے وہ بڑا ہی تعجب خیز ہے۔

صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے اس آیت کی تفسیر میں جو ذیلی عنوان باندھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ "نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر"۔ اور صحیح مسلم سے یہ روایت نقل کی ہے۔ کسی شخص کو بھی اس کا عمل جنت میں ہرگز نہیں داخل کرے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ، آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص ۳۷۷، مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

کیا اس حدیث اور مذکورہ بالا عنوان کو باور کرنے کے بعد بھی کسی مسلمان سے اس کی دنیوی و اخروی کامیابی کے لیے عمل صالح کی امید کی جاسکتی ہے؟ اس طرح کی تفسیروں سے موزوں و مناسب اعمال کی تحریک کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ اگر کامیابی کا مدار اعمال پر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کو اکھٹا بار بار کیوں بیان کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل صالح پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح عملِ صالح کے

بغیر ایمان بھی محض زبانی جمع خرچ بیانی کا نام ہے، جس کی عنداللہ کوئی اہمیت نہیں۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحٰت واقاموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ (البقرہ/۲۷۷)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کیے اور اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوۃ کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ محزون ہونگے۔)

دیکھئے اس آیت میں بھی داخلۂ جنت کے لیے ایمان اور عمل صالح کو اکھٹا بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اعمال صالحہ کے عمومی بیان کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکواۃ کا خصوصی بیان اس لیے ہے کہ یہ دونوں امور پورے دین کی جان ہیں۔ کیا اتنی واضح ہدایت کے بعد بھی فقط ایمان/ عقیدہ کو حصول جنت کا ذریعہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس آیت میں تعبیر جنت کے لیے ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون کے الفاظ آئے ہیں۔ اس تعبیر کو درج ذیل آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔

یعباد لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون۔ الذین امنوابایتنا وکانوا مسلمین ادخلوا الجنة انتم وازواجکم تحبرون۔(زخرف/ ۶۸۔۷۰)

(اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے۔ تم اور تمہارے رفقاء جنت میں داخل ہوجاؤ۔)

الذین امنو بایتنا سے مراد قرآنی آیات پر ایمان لانے والے اور وکانوا مسلمین سے مراد ان آیات پر عمل کرنے والے ہیں۔

یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بینها وبینه امدابعیدا۔ (آل عمران/ ۳۰)

(جس دن ہر شخص اپنے صلاحیت والے کاموں کو (اپنے سامنے) موجود پائے گا اور بیکار د رائیگاں عمل کو بھی۔ وہ آرزو کرے گا کہ کاش! اُس کے اور اُس (بیکار د ناکارہ عمل) کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا۔)

بینهما میں ضمیر کا مرجع بعض مترجموں نے یوم کی طرف پلٹایا ہے (جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی نے) مطلب یہ کہ جزا و سزا کے دن میں اور اُس شخص میں زمانہ طویل حائل ہوتا۔ مگر چونکہ اعمال

خیر انجام دینے والا۔ یہ خواہش نہیں کرسکتا اس لیے عملت من سوء کی طرف ہی اسکی ضمیر پھیرنا زیادہ صحیح اور جامع معلوم ہوتا ہے۔

یہاں یوم سے مراد یوم قیامت ہے۔ جہاں عملِ خیر اور عملِ سوء دونوں کی بنیاد پر جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس آیت میں صرف اعمال کو جزا و سزا کی بنیاد بنایا گیا ہے۔

وسارعوا الی مغفرة من ربکم و جنة عرضها السمٰوات و الارض ۔اعدت للمتقین، الذین ینفقون فی السراء والضرأء والکظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰه یحب المحسنین۔ والذین اذافعلوافاحشة اوظلمواْ انفسهم ذکر وااللّٰه فاستغفروالذنوبهم ومن یغفرالذنوب الا اللّٰه ولم یصِروا علیٰ مافعلواْ وهم یعلمون۔ اُولیك جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنت تجری من تحتها الانهار خلدین فیهاونعم اجرالعملین۔ (آل عمران /۱۳۳۔۱۳۶)

)اور دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف، جس کی وسعت آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے (اور متقین کی صفات یہ ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور بدحالی (ہر دو حالتوں) میں انفاق (خرچ) کرتے رہتے ہیں اور یہ لوگ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (ہوتے ہیں) اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (اور متقین کے منجملہ دیگر اور اوصاف کے یہ اوصاف بھی ہیں) وہ جب کسی امرِ قباحت کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں (تو) اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی سزا سے حفاظت چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو جرموں کی سزا سے حفاظت کرے اور جو اپنے کئے پر جانتے بوجھتے مصر نہیں رہتے۔ بس یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت اور باغات کی صورت میں ملتا ہے، جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے۔)

آیات مذکورہ میں مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور مستحقین جنت کے یہ اوصاف بتائے گئے ہیں۔

۱۔خوش حالی اور بدحالی میں انفاق کرتے ہیں۔

۲۔غصہ کو پی جاتے ہیں۔

۳۔لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

۴۔اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔

اور آخر میں نعم اجر العملین لا کر بتایا ہے کہ جنت دراصل عمل کرنے والوں کو ہی ملتی ہے یہی مضمون سورۂ حدید میں اس طرح آیا ہے۔

سابقوا الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها کعرض السمآء والارض اعدت للذین امنوا باللّٰہ ورسله ذلك فضل اللّٰہ یوتیه من یشآء واللّٰہ ذوالفضل العظیم۔ (حدید۔۲۱)

(اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور اُس جنت کی طرف جس کی فراخی آسمان اور زمین کی فراخی کی طرح ہے۔ یہ اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ اللہ کا (وہ) فضل ہے۔ جو قانونِ مشیت کے مطابق (لوگوں کو) دیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔)

ذلك فضل اللّٰہ یوتیة من یشآء کا بالعموم ہمارے ہاں جو ترجمہ کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:

"یہ اس کا فضل ہے، وہ جسے چاہے گا دے گا۔"

اس طرح جنت کا حصول، اللہ کے فضل پر اس طرح ٹھہرایا جاتا ہے۔ جہاں کوئی قاعدہ و قانون نہیں چلتا۔ وہ جسے چاہے گا جنت دے گا اور جسے نہ دینا چاہے گا، نہیں دے گا۔ اس طرح کے مفہوم سے اعمال کی دنیا نہ صرف غیر اہم اور غیر ضروری ہوجاتی ہے بلکہ سراسر لغو اور فضول بھی بن جاتی ہے۔ اگر کسی طالب علم کو یہ پتہ ہو کہ وہ کتنی ہی محنت کیوں نہ کرلے۔ اُس کا پاس ہونا اسکی محنت اور تیاری پر نہیں بلکہ فقط ممتحن کی مرضی اور اختیار پر موقوف ہے تو وہ محنت کیوں کرے گا۔ ہاں اگر میرٹ اور اہلیت کو قاعدہ قانون بنا دیا جائے تو ہر طالب علم نہ صرف محنت کرے گا بلکہ مسابقت میں اول سے اول آنے کی بھی کوشش کرے گا۔ کیوں کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اُس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ جیسا جواب ہوگا ویسے ہی نمبرز ملیں گے۔ غلط جواب پر نمبر دینا اور صحیح جواب پر نمبر نہ دینا، خلاف عدل ہے۔ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے جنت خدا کی مرضی محض پر ٹھہرائی ہے۔ انہوں نے خدا کے قانون وعدہ و وعید کو نہیں سمجھا۔ اگر وہ خدا کے قانون مشیت کو سمجھ لیتے تو اعمال کو سنوارنے کی فکر کرتے اور خدا کے اُس قانون سے ڈرتے۔ جو بہت بے لاگ ہے۔

ان اللّٰہ لا یخلف المیعاد۔ (آل عمران/۹)

(بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔)

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولمایعلم اللّٰہ الذین جٰهدوامنکم ویعلم الصابرین۔ (آلِ عمران/۱۴۲)

(کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہوجاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو ممیز نہیں فرمایا، جو جہاد کرتے ہیں اور (تاکہ) ممیز کرے ان لوگوں کو بھی جو سختیاں جھیلتے ہیں۔)

اس آیت میں لما دراصل لم نافیہ اور ما کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ آیت کے مطابق جنت میں داخل ہونے کے لیے دو چیزیں ناگزیر ہیں۔ (۱) جہاد کرنا (۲) صبر کرنا اور یہ دونوں اعمال ہیں نہ کہ فقط عقائد۔ گویا جنت کا راستہ میدانِ کارزار سے ہوتا ہوا نکلتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقط عقیدہ کی بنیاد پر ایک ٹھنڈی سڑک سے سیدھے جنت میں چلے جائیں گے ان کا خیال سراسر باطل ہے۔ قرآن کی یہ آیت بھی اس موضوع پر ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

احسب الناس ان یترکو ان یقولوا امناوھم لایفتنون۔ (العنکبوت/۲)

(کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنا کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔)

یقیناً آزمائے جائیں گے اور آزمائش میں کامیابی کے بعد ہی جنت میں جائیں گے۔ واضح رہے کہ ویعلم الصابرین میں یعلم کے فتحہ کے بارے میں لوگوں نے مختلف توجیہات پیش کی ہیں لیکن بعض کے نزدیک اس کا عطف اوپر ولیعلم الذین امنوا (آیت ۱۴۰) پر ہے۔ ہم نے اسی تاویل کو اختیار کر کے ترجمہ کیا ہے۔

تلک حدود اللّٰہ ومن یطع اللّٰہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا وذالک الفوز العظیم۔ (النساء/۱۳)

(یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدبندیاں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔)

سورۂ النساء کی آیت نمبر ۱۱۔۱۲ میں وصیت و وراثت کا تفصیلی قانون بیان کیا گیا ہے۔ پھر اُس قانون کو حدود کا نام دیا گیا ہے۔ پھر اس قانون کی تعمیل کو اللہ اور اسکے رسول کی پیروی قرار دیتے ہوئے عمل کرنے والوں کو مژدۂ جنت سنایا گیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ یہاں بھی جنت عمل کے نتیجے میں بیان ہوئی ہے نہ کہ فقط ایمان لانے کے نتیجے میں۔

والذین امنوا وعملوالصلحت سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا ابدا۔ (النسآء/۵۷)

(اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے، ان کو باغوں میں داخل کریں گے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔)

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں۔

> " اس آیت میں کئی مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں کیونکہ اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے۔ اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اُخروی انعامات کو ابتداء حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں۔ اسکے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے۔ قاعدہ یہی ہے لیکن اللہ کریم ہے۔ جس کو چاہے اس قاعدے سے مستثنیٰ کردے۔" [۲]

سعیدی صاحب نے دوسرے مسئلہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ محلِ نظر ہے۔ قرآن مجید کی سیدھی بات کو جس طرح پیچ وخم میں الجھایا گیا ہے۔ کلام الٰہی اس عیب سے مُبرا ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔

> " اُخروی انعامات کو ابتداء حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں اسکے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔"

یہاں ابتداء کا لفظ بالکل غیر ضروری اور بے جوڑ دکھائی دیتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

> " البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے"

اس جملہ کی سند کیا ہے؟ یہ تو سعیدی صاحب ہی بتا سکتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

> " قاعدہ یہی ہے لیکن اللہ کریم ہے جس کو چاہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ کردے۔"

مطلب یہ ہے کہ وہ چاہے تو بغیر ایمان اور بغیر عمل کے بھی، لوگوں کو جنت میں بھیج دے۔ اس بے قاعدگی کو انہوں نے اللہ کی صفت کریم کے تحت لیا ہے۔ اگر استثنائی قاعدے کو دیگر معاملات پر اسی طرح منطبق کردیا جائے تو قرآن کے سارے اصولوں کا، اس کے قوانین اور فرامین کا تیا پانچہ ہوجائے گا۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی (علیگ) لکھتے ہیں:

> ''ہمارے جن اکابر علماء نے اعمال کو ایمان کا جزو قرار نہیں دیا ہے اور اس کے احقاق و اثبات میں انہوں نے خواہ کتنے ہی منطقیانہ دلائل فراہم کردیے ہوں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کے اس نقطہ نظر نے ملت اسلامیہ کو

> نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ عمل سے مسلمانوں کی بے پروائی اور ارتکاب فسق و فجور کے پس پردہ ایمان وعمل کے متعلق ان کے غلط تصورات ہی کارفرما ملیں گے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت اس خیال کی قائل ہے کہ وہ کچھ بھی کریں، مومن بہرحال رہیں گے۔ اس لیے کہ وہ زبان سے اپنے مومن ہونے کا اقرار کرتے ہیں، رہا عمل تو وہ ایمان سے علیحدہ ایک چیز ہے۔''[۲۲]

سچی بات یہ ہے کہ ایمان بلاعمل اس پھول کی طرح ہے، جس میں کوئی خوشبو نہ ہو یا اُس درخت کی طرح ہے، جسمیں کوئی سرسبزی و شادابی۔ پھل پھول اور ہریالی نہ ہو۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کا غیر سمجھنا، فضول ہے اور لوگوں کو بے عملی کی طرف لے جانے کا باعث بھی۔

> **هل ينظرون الاان تاتيهم الملكة اوياتى ربك اوياتى بعض ايت ربك يوم ياتى بعض ايت ربك لا ينفع نفساً ايمانها لم تكن أمنت من قبل او كسبت فى ايمانها خيراً قل انتظروا انا منتظرون۔ (انعام/۱۵۸)**

(وہ نہیں ہیں مگر اس انتظار میں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا پروردگار یا تیرے رب کے بعض نشانات جس روز تیرے پروردگار کے بعض نشان آجائیں گے، کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لاچکا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی (عمل) خیر نہ رکھتا ہو۔ کہدو! انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔)

آیت میں فرشتوں کے آنے سے مراد جنگوں میں شکست و ہزیمت کے عذاب کا آنا ہے۔ اور رب کے آنے سے مراد دشمن کا نیست و نابود ہونا ہے۔ اور بعض نشانات کے آنے سے مراد دراصل اُن کی موت کا آنا ہے۔ کیونکہ موت کے آثار ظاہر ہونے کے بعد کسی کافر کا مومن ہونا بے کار ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے۔

> **فلماراوا باسنا قالوا امنا بالله وحده وكفرنا بما كنا به مشركين۔ فلم يك ينفعهم ايمانهم لما راو باسنا۔ (غافر/۸٤)**

(پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہا ہم اللہ پر ایمان لے آئے، جو واحد ہے، اور ہم نے ان کا انکار کیا، جن کو ہم شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس ان کے ایمان نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔)

آیت زیر بحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بغیر عمل کے کوئی کام نہیں دیتا۔ اس میں

ان لوگوں کا رد ہے جو جنت کے لیے صرف ایمان کو کافی سمجھتے ہیں جبکہ او کسبت فی ایمانھا خیرا میں عمل خیر کو ایمان کے ساتھ لازم کیا گیا ہے۔ عقیدہ و عمل کے باہمی تلازم پر یہ آیت بہت واضح دلیل ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

" ایمان معتبر صرف وہ ہے، جو آنکھ کان دل دماغ اور عقل کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے لایا جائے نہ کہ عذاب الٰہی کا ڈنڈا دیکھ کر عذاب الٰہی کے ظہور کے بعد کسی کا ایمان کچھ سود مند نہیں ہوگا۔ سود مند وہی ہوگا جو اس سے پہلے لایا جائے۔ اور انہیں کچھ عمل صالح کی کمائی کرلی جائے۔" [۳۴]

الذین امنوا وھا جروا وجاھدوافی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللّٰہ واولئك ھم الفائزون۔ یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان و جنٰت لھم فیھا نعیم مقیم۔ خالدین فیھا ابدا ان اللّٰہ عندہ اجرٌ عظیم۔

(التوبہ/۲۰۔۲۲)

(جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا (وہ لوگ) اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو بامراد ہیں۔ ان کا پروردگار اُنہیں اپنی رحمت اور رضا کی خوش خبری دیتا ہے اور ان باغوں کی، جن میں ان کے لیے ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت ہے۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔)

ان آیات میں جنت میں جانے والوں کے لیے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ ایمان والے ۲۔ ہجرت والے ۳۔ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے

اعظم درجۃ اگر تقابل کے لیے آیا ہے تو ان اوصاف کے حاملین کا درجہ باقی تمام مومنوں سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر تفخیم شان کے لیے آیا ہے تو اس کی نظیر میں یہ آیت موجود ہے۔

والذین اتقوا فوقھم۔ یوم القیامۃ۔ (البقرہ/۲۱۲)

جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ وہ قیامت کے دن اُن پر بالا ہوں گے۔

اس طرح کا اُسلوب اہلِ ایمان کے درجات کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لیے بھی اختیار کیا جاتا ہے اول الذکر تاویل کے لیے اسکی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

لایستوی منکم من انفقق من قبل الفتح و قاتل اولیك اعظم درجۃ من

الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعداللّٰہ الحسنیٰ۔ (الحدید / ۱۰)

(تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے کوئی انفاق کیا اور قتال کیا۔ ان کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔ تاہم اللہ نے ان دونوں سے نہایت اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔)

غرض کہ یہاں بھی ایمان پر مرتفع ہونے والے اعمال کو ہی اہل جنت کی عظمت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔اور بعض کا بعض پر فضیلت یاب ہونا بھی اس 'عمل' پر موقوف رکھا گیا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے کے اعمال اس لیے زیادہ فضیلت وعظمت کے حامل بتائے گئے ہیں کہ اُس دور میں انفاق اور قتال کرنا، بہت زیادہ مشکل تھا۔ مقابلۃً فتح مکہ کے بعد۔

یہاں سے پتہ چلا کہ کسی بھی عمل کی اہمیت اپنے ماحول اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر معین ومشخص ہوتی ہے۔

وقت پر کافی ہے قطرہ آبِ خوش ہنگام کا

واللّٰہ یدعوالیٰ دارالسلام ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم للذین احسنوالحسنیٰ وزیادہ ولایرھق وجوھھم قترو لاذلہ اُولئك اصحاب الجنة ھم فیھا خلدون۔ (یونس/ ۲۵ ـ ۲۶)

(اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور (اس کا قانون مشیت) جس کو چاہتا ہے۔ سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اچھے عمل کئے ان کے لیے اچھا بدلہ ہے بلکہ اجر مزید بھی ہے اور ان کے چہرہ پر سیاہی چھائے گی نہ ذلت۔ یہی لوگ جنت والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

حسنیٰ کے معنیٰ عموماً جنت لیے گئے ہیں مگر لسان العرب میں اس کے معنیٰ اچھے بدلے کے لیے گئے ہیں اور اس مقام پر اچھے بدلہ کا مطلب سوائے جنت کے اور کیا ہے؟

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احکام فرض اور واجب مقرر کئے ہیں، ان کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور سنن اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں اور جن کاموں کو حرام اور مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ ان سے دائماً مجتنب رہتے ہیں اور مکروہات اور خلاف اولیٰ کاموں سے بھی بچتے رہتے ہیں اور اگر کوئی فروگذاشت ہوجائے تو فوراً توبہ کرلیتے ہیں اور حسنیٰ (اچھی چیز) سے

مراد جنت ہے"۔۵ے

غلام رسول سعیدی نے اللہ کے احکام کو فقہی اصطلاحات میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے وہ احکام اس شکل میں اللہ نے اتارے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور وہ خود بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

حتیٰ اذا ادرکه الغرق قال امنت انه لاالٰہ الاالذی امنت به بنواسرائیل و انا من المسلمین۔ الن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ (یونس/ ۹۰ ۔ ۹۱)

(یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا کہا میں ایمان لایا، جن پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں کہا اب (ایمان لاتا ہے) اور پہلے تو نے نافرمانی کی اور تُو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔)

اس آیت میں فرعون کے ایمان لانے کا قول قابل حوالہ ہے۔ اُس کے دعویٰ ء ایمان کو قبولیت کی سند نہ ملی، ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کے گزشتہ اعمال اس لائق نہ تھے کہ جس کی بنیاد پر اُس کے آخری وقت کے ایمان کو قبول کرلیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز جو خدا کو مطلوب ہے، وہ عمل صالح ہے۔ اگر کسی کے پاس یہی نہ ہو وہ لاکھ اپنے آپ کو مومن کہتا پھرے رب کی نظر میں وہ مومن نہیں ہے۔ مومن اصل میں ہوتا ہی عمل صالح سے ہے نہ کہ فقط زبانی اقرار سے۔

افمن یعلم انماانزل الیك من ربك الحق کمن هواعمیٰ انمایتذ کرا ولواالالباب۔ الذین یوفون بعهداللّٰه ولا ینقضون المیثاق، والذین یصلون ماامراللّٰه به ان یوصل ویخشون ربهم ویخافون سوء الحساب۔ والذین صبرواابتغاء وجه ربهم واقا موالصلٰوة وانفقواممارزقنهم سرا وعلانیة ویدرء وون بالحسنة السیة أولئك لهم عقبی الدار۔ جنت عدن یدخلونها ومن صلح من ابائهم وازواجهم وذریتهم والملائکة یدخلون علیهم من کل باب ۔ سلم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ (الرعد ۱۹ ۔ ۲۴)

جنت عدن میں جن لوگوں کے داخلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے اوصاف درج ذیل ہیں۔

۱۔ جو کچھ رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اُسے حق مانتے ہیں۔

۲۔ قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والے ہی صاحبانِ عقل ہیں۔

۳۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔

۴۔اور جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُسے جوڑے رکھتے ہیں۔
۵۔خشیت الٰہی میں رہتے ہیں۔
۶۔بُرے حساب (انجام) کا خوف رکھتے ہیں۔
۷۔اور جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔
۸۔اقامت صلوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔
۹۔اُس کے دیئے ہوئے رزق میں سے خفیہ اور علانیہ ہر دو طرح سے انفاق کرتے ہیں۔
۱۰۔برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں۔

اول الذکر دو اوصاف ایسے ہیں، جو ہر خیر کی بنیاد بنتے ہیں۔ یعنی قرآن کو حق ماننا اور اُس سے نصیحت طلب کرنا۔ آج نام نہاد مسلمانوں میں یہ دونوں اوصاف کماحقہ ناپید ہو چکے ہیں۔ وہ قرآن کے مقابلے پر ہر چیز ماننے کو تیار ہیں۔ خواہ کوئی روایت ہو، فقہی قول ہو، کوئی فتویٰ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ بس نہیں مانتے تو قرآن کو۔ جبکہ قرآن پر ایمان کے سب سے بڑھ کر دعویدار بھی ہیں۔ مگر اپنے عمل سے صبح و شام قرآن کی تکذیب کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ماننے کو ماننا نہیں بلکہ نہ ماننا کہا جائے گا۔ اسی طرح قرآن سے کسی بھی ہدایت اور نصیحت اخذ کرنے کو گمراہی سمجھتے ہیں۔ خود ان کی نصیحتوں اور ہدایتوں کا مرکز و محور اور منبع و مصدر قرآن کے علاوہ ہر وہ کتاب ہے جو ان کے مسلک کی نمائندہ ہو اور ہر وہ عالم ہے، جسے قرآن نہ آتا ہو۔

جبکہ داخلہ جنت کے لیے قرآن کی بنیادی Requairement یہی دو اُمور ہیں۔ بنظرِ غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بقیہ تمام اُمور انہی دو پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ دراصل قرآن کو ماننے سے مراد پورے قرآن کا مع تمام اوامر و نواھی کے ماننا ہی تو ہے نہ کہ فقط نامِ قرآن کا ماننا۔ اور اوامر و نواھی کی تعمیل ہی تو عملِ صالح ہے۔ جس پر جنت ملتی ہے۔

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحت انالانضیع اجرمن احسن عملاً۔ اولئك لهم
جنٰت عدن تجری من تحتهم الانهار یحلون فیها من اساور من ذهب
ویلبسون ثیابا خضرامن سندس واستبرق متکئین فیها علی الارائك نعم
الثواب وحسنت مرتفقا۔(الکهف/ ۳۰۔۳۱)

(جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیئے۔ ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھا عمل کرتے ہیں ان کے لیے ہیشگی کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہاں انہیں سونے

کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے اور وہ وہاں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا انجام ہے اور جائے سکون بھی بہترین ہے۔)

اعمالِ صالحہ اختیار کرنے والوں کے لیے کہا گیا ہے "ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے"، اگر جنت محض خدا کی مرضی پر ٹھہری ہوئی ہوتی یا اسکے فضل پر منحصر ہوتی۔ یعنی جنت کا سررشتہ اعمالِ صالح سے جڑا ہوا نہ ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی کہ ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اعمال صالحہ کا اجر ضائع نہ کرنا اس امر کو لازم کرتا ہے کہ جنت کے حصول میں اعمال صالحہ ہی سب کچھ ہوں۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کی مرضی، اعمالِ صالحہ کے نتیجے کو برباد کرنے کے لیے نہیں بلکہ اعمالِ صالح کے تحقق کو متحقق کرنے کے لیے ہے۔ جن لوگوں نے اعمال کو غیر ضروری یا حقیر و کمتر جان کر جنت کو محض خدا کا فضل قرار دیا ہے۔ انہیں ان آیات پر غور کرنا چاہئے۔

مثل الحنة التی وعدالمتقون تحری من تحتهاالنهار اکلهادائم وظلها تلك عقبی الذین اتقوا وعقبی الکافرین النار۔ (الرعد/۳۵)

(متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس کے پھل دائمی ہیں اور اس کی آسائش (بھی دائمی ہے) یہ ان کا اچھا انجام ہے، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے۔)

اس آیت میں جنت کا وعدہ، متقین سے کیا گیاہے۔ تقویٰ عملِ صالح سے عبارت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عملِ صالح کے بغیر جنت نہیں ملتی۔

ان المتقین فی جنٰت وعیون ادخلوها بسلٰم امنین۔(حجر/۴۵۔۴۶)

(بے شک متقین باغوں اور چشموں میں ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) تم ان میں بے خوف ہوکر سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔)

اس طرح یہ آیات بھی دیکھئے:

وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیراً للذین احسنوافی هذه الدنیا حسنة ولدار الاخرة خیرولنعم دارالمتقین جنت عدن یدخلونها تجری من تحتها الانهار لهم فیها مایشاء ون کذٰلك یجزی الله المتقین الذین تتو فهم الملٰئکة طیبین یقولون سلٰم علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون۔(النحل/۳۰۔۳۲)

(اور متقین سے پوچھا گیا کہ تمھارے رب نے کیا اتارا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اچھا (کلام) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کیئے ان کے لیے اچھا اجر ہے اور دارِ آخرت تو سب سے اچھا ہے اور متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے، جن میں وہ داخل ہوں گے وہ دائمی باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ ان کے لیے اُمیں وہ سب کچھ ہے، جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔ ان متقین کی جب فرشتے جان نکالتے ہیں۔ دراں حال یہ کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں۔ فرشتے اُن سے کہتے ہیں تم پر سلام ہو۔ تم جنت میں داخل ہوجاؤ، ان اعمال کی وجہ سے جو تم نے انجام دیئے۔)

ان آیات کا آخری حصہ ایک بار پھر دیکھئے۔

ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون، جنت میں داخل ہوجاؤ، یہ اس کا بدلہ ہے، جو تم کرتے تھے۔ گویا متقین، اپنے اعمالِ صالحہ کی وجہ سے متقین ہوئے، اگر وہ اعمالِ صالحہ انجام نہ دیتے تو متقین ہوتے اور نہ جنت کے مستحق۔

الا من تاب وامن و عمل صالحا فاولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون شيئا۔
جنت عدن التي وعدالرحمٰن عباده بالغيب انه کانٗ وعده ماتيا لا يسمعون
فيها لغواً الا سلٰما ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا تلك الجنة التي نورث من
عبادنا من كان تقيا۔ (مریم ۶۰-۶۳)

(مگر جنہوں نے توبہ کرلی اور ایمان لائے اور اچھے عمل کئے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔ ہمیشگی کے باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے عالم غیب میں وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ وہ وہاں پر کوئی فضول بات نہیں سُنیں گے سوائے سلامتی کے وہاں اُنہیں صبح و شام رزق بھی دیا جائے گا۔ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُسے بناتے ہیں، جو تقویٰ شعار ہوتے ہیں۔)

جو لوگ اپنے زعم میں جنت کے پشتینی وارث بنے بیٹھے ہیں۔ اُنہیں ان آیات پر غور کرنا چاہئے کہ تقویٰ شعاری کے بغیر وہ جنت میں کس طرح داخل ہوسکتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں جنت کا عطا کرنا دراصل رحمان کے اُس وعدہ کے مطابق ہے۔ جو اُس نے اپنے بندوں سے عالم غیب میں رہتے ہوئے کیا ہے۔

چونکہ جنت بھی ایک امر غیب ہے۔ جس کا شہود اعمالِ صالحہ کا رہین منت ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ جنت وہ معلول ہے، جس کی علت ایمان اور عملِ صالح ہے۔ مطلب یہ کہ جنت کا حصول ایک

قاعدہ قانون کا پابند ہے۔ پس جو بھی اس کا طالب ہے، اُسے وہی قاعدہ قانون اختیار کرنا پڑے گا۔ جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

ومن یاتہ مومناً قد عمل الصلحت فاولئک لھم الدرجات العلیٰ جنٰت عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وذلک جزآؤ من تزکی۔(طٰہٰ/ ۷۵، ۷۶)

(اور جو کوئی (اپنے رب کے حضور) مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے عمل کیے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں، جن کے لیے درجات میں بلندی ہے۔ ہیشگی کے باغ میں رہیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور اُن لوگوں کا اچھا انجام ہے۔ جنہوں نے اپنا تزکیہ کرلیا ہے۔)

اس آیت میں مومن کی تعریف ہی عمل صالح سے کی گئی ہے اور یہی ہمارا مقصودِ کلام ہے کہ مومن اپنے کردار اور رویئے سے مومن ہوتا ہے نہ کہ فقط زبان سے۔ من تزکیٰ، میں انسانی کردار اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ قدافلح من تزکیٰ(الاعلیٰ/۱۴) میں وارد ہوا ہے کہ جو اپنے آپ کو سنوار لیتا ہے وہی کامیاب رہتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

"مُومناً قدعمل الصٰلحت کے اسلوب بیان پر غور کیجئے تو یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ایمان وہی ہے، جسکے ساتھ عمل صالح بھی پایا جاتا ہے۔ جو ایمان عمل سے خالی ہو۔ اس کی خدا کے ہاں کوئی پوچھ نہیں ہے۔ ایسا ایمان ایک ٹھونٹھ درخت کے مانند ہے۔ جو برگ و بار سے بالکل خالی ہے۔ جس درخت نے دنیا میں اپنے برگ و بار پیدا نہیں کیے آخر وہ آخرت میں کس طرح ثمر بار ہوجائے گا۔ خدا کے ہاں اعمال کی مقبولیت کے لیے جس طرح ایمان شرط ہے اس طرح ایمان کی مقبولیت کے لیے اعمال صالحہ شرط ہیں۔"

نیز فرماتے ہیں:

"جن لوگوں نے محض اپنے جی سے عمل کی اہمیت گھٹا کر اباحت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ خواہ وہ ہمارے پرانے متکلمین ہوں یا نئے متکلمین۔ انہوں نے اپنی فیاضی سے جنت کو ایک بہت سستی چیز تو ضرور بنا دیا ہے اور

اس سے ہم جیسے بے عملوں کو بڑی تسلی مل جاتی ہے لیکن قرآن میں ان کے اس نظریئے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جنت کی کنجی بہر حال اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ اس نے ان متکلمین کے ہاتھ میں نہیں پکڑادی ہے اس وجہ سے سلامتی اسی میں ہے کہ اس قسم کی جھوٹی آرزوؤں سے اپنے آپ کو محفوظ ہی رکھئے۔ قرآن نے ان کو یہود کی امانی باطلہ میں سے شمار کیا ہے"[۷]

ومن یعمل من الصلحت وھومن فلا یخاف ظلماً ولا ھضما۔ (طٰہٰ / ۱۱۲)

(اور ہر شخص ایمان کی حالت میں اچھے اعمال کرے گا۔ اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ کسی حق تلفی کا۔)

آیت کے مطابق اعمال صالحہ کرنے والے مومن کو ظلم و ہضم کا خوف نہیں ہوگا۔ ظلم یہ ہے کہ کسی شخص کو بغیر کسی جرم کے سزا دی جائے اور ہضم یہ ہے کہ کسی شخص کو اُس کے کام کا معاوضہ نہ دیا جائے۔ اسی کو حق تلفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مفہوم کی نظیر یہ آیت ہے۔

فمن یو من بربہ فلایخاف بخساً ولا رھقا۔(الجن / ۱۳)

(اور جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اُسے کسی نقصان کا خطرہ ہوگا نہ کسی ظلم کا۔)

لیجز یھم اللّٰہ احسن ماعملوا ویزیدھم من فضلہ واللّٰہ یرزق من یشآء بغیر حساب۔ (النور / ۳۸)

(تا کہ اللہ اُنہیں ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے اور اپنے فضل سے اُنہیں زیادہ دے، اور اللہ اپنے قانونِ مشیت کے تحت (اصحابِ جنت کو) بے شمار رزق دے گا۔)

اس آیت میں عمل کرنے والوں کو اچھا بدلہ دینے کی بات کی گئی ہے، اُس سے عمل کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ "ماعملوا" سے مراد وہ اعمال ہیں جو آیت ماقبل میں مذکور ہوئے یعنی

رجال لا تُلھیھم تجارة ولابیع عن ذکر اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلّب فیہ القلوبُ والابصار۔(النور / ۳۷)

((ایسے) لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی، اُس دن سے ڈرتے ہیں، جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہوجائیں گے۔)

آیت زیر بحث میں ویزیدھم من فضلہ کے الفاظ، استحقاق کے حاملین کے لیے ہی وارد ہوئے ہیں غیر مستحقین کے لیے ہرگز نہیں۔ اس لئے رب کا فضل اہلیت والوں کے حق میں کس اجر خصوصی کا حوالہ ہے۔ اس فضل کا مورد کیا ہے؟ وہ رب ہی جانتا ہے۔

بعض لوگوں نے اپنی تفسیروں میں واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب کے تحت جو لکھ دیا ہے کہ "بہت سوں کو بے حساب جنت میں داخل کردیا جائے گا۔" ہے

ہمارے خیال میں وہ اس فقرہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکے۔ اور ایسا مطلب اخذ کرلیا، جس سے قرآن کی ان آیات کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جن میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ، حساب کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل من یشاء میں اُس قانون کا ذکر ہے، جسے مشیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اسکی مشیت کیا ہے؟ دراصل وہ اسکی چاہت ہے، جو اُس نے اپنے پاک کلام میں تفصیل سے بیان کردی ہے۔ یعنی وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ اسکے وعدے اس کی وعیدیں سب کے سب لازماً پورے ہو کے رہیں گے۔ اور یہی اس کی مشیت ہے۔

دوسرے یہ کہ واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب میں دراصل اہل جنت کا ذکر ہے۔ پس اس میں اصحاب جنت سے ان کی نعمتوں اور راحتوں میں مسلسل افزوئی کا وعدہ ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں اصحاب جنت یکساں حال میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کے درجات د مقامات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔

ویوم یرجعون الیہ فینبئھم بماعملوا واللہ بکل شیء علیم۔ (النور/۶۴)

(اور جس دن اسکی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں ان کے اعمال کی سب خبر دے گا۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔)

آیت کے مطابق قیامت میں بھی اعمال ہی کی پوچھ ہے۔ کس قدر تعجب ہے کہ لوگوں کو ایمان بلاعمل میں الجھا دیا گیا ہے۔

جس طرح اچھے اعمال کا بدلہ اچھا ہے۔ اسی طرح برے اعمال کا بدلہ بُرا ہے۔ یعنی بُرے اعمال اپنے نتائج میں بے ثمر رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔

وقدمنا الیٰ ماعملوا من عمل فجعلنٰہ ھبآء منثورا۔ (الفرقان/۲۳)

(اور ہم ان کی (بد) اعمالیوں کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہم اسے اڑتی ہوئی دھول کردیں گے۔)

بعض علماء (مثلاً امین احسن اصلاحیؒ) نے اس آیت سے کفار کے اچھے کاموں کو مراد لیا

ہے۔^۸^ جنہیں ھبآء منشورا کیا جائے گا۔ مگر سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفار کے اُن کاموں کا ذکر ہے، جو حق کی مخالفت میں کیے گئے تھے۔

وقال الذین لایرجون لقاء نا لولا انزل علینا الملئکة اونریٰ ربنا لقد استکبروا فی انفسھم وعتو عتوا کبیرا۔ یوم یرون الملائکة لابشریٰ یومئذ للمجرمین ویقولون حجراً محجورا۔ (الفرقان/۲۱۔۲۲)

(اور جو ہم سے ملنے کے آرزو مند نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتے ہم پر کیوں اتارے گئے؟ یا (کیوں) ہم نے اپنے رب کو (نہیں) دیکھا۔ پس تحقیق انہوں نے خودکو اپنے جی میں بڑا سمجھا۔ اور بڑی اکڑ دکھائی، جس دن (یہ لوگ) فرشتوں کو دیکھ لیں گے۔ اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہ ہوگی اور وہ کہیں گے (اے کاش) کوئی رکاوٹ حائل ہوجائے۔ (جو انہیں سزا سے بچالے))

أولئك یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیھاتحیة وسلاماً خلدین فیھا حسنت مستقراومقاما۔ (الفرقان/۷۵۔۷۶)

(یہ ہیں وہ لوگ جنہیں ان کے صبر کے بدلہ میں (جنت کے) پُرشکوہ محلات عطا کیے جائیں گے۔ اور وہاں ان کا دعا و سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت اچھا مستقر اور مقام ہے۔)

سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں رحمٰن کے بندوں کے متعدد اوصاف بیان کرنے کے بعد اُنہیں جنت کے محلات کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اور ان کے تمام اوصاف، ان کی صفت صبر کے رہین منت بتائے گئے ہیں۔ اور ان سب کا تعلق اعمال کی دنیا سے ہے۔ فقط کچھ حقائق کو مان لینے سے نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے داخلہ ء جنت کا شارٹ کٹ بتایا ہوا ہے کہ بس مسلمان ہوجاؤ، پھر جنت کہیں نہیں گئی۔ اور مسلمان ہونے سے ان کی مراد اعمالِ صالحہ کے بغیر فقط اقرار مسلمانی ہے اور بس۔

وازلفت الجنة للمتقین۔ (الشعرا/۹۰)

(اور متقین کے لیے جنت کو قریب کردیا جائے گا۔)

ازلاف کے معنیٰ قریب کرنے کے ہیں۔ اس میں متقین کی تشریف وتکریم مقصود ہے کہ ان کے اعمال کے صلے میں جنت ان کے قریب کردی گئی ہے۔ یعنی ان کے اور جنت کے مابین کوئی فاصلہ نہیں رہ گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ تقویٰ عملِ صالح سے عبارت ہے۔ تقویٰ اور جنت ساتھ ساتھ ہیں۔ یا یہ کہ

دونوں لازم اور ملزوم ہیں۔

من جاء بالحسنة فله خیر منها وهم من فزع یومئذ امنون ومن جآء بالسیئة
فکبت وجوههم فی النار، هل تجزون الا ما کنتم تعملون۔(النمل ۸۹/ ـ ۹۰)

(اور جو لوگ اچھے عمل کے ساتھ آئیں گے تو اس کے لیے اس (عمل) سے اچھی جزا ہوگی۔ اور لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے اور جو لوگ برا عمل لیکر آئیں گے تو انہیں منہ کے بل دوزخ میں گرادیا جائے گا اور تم سب کو انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا۔ جو تم کیا کرتے تھے۔)

یہ آیت اپنے مفہوم میں کتنی واضح ہے مگر افسوس کہ بعض کلامِ الٰہی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں، جو اپنی تحریر وتقریر اور تدریس میں آیات قرآنیہ کی تکذیب کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اچھے اعمال کو ذریعۂ کامیابی اور وسیلۂ فلاح نہیں سمجھتے۔ بلکہ حسن عمل کی محرومیوں اورکوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے فقط فضلِ الٰہی کو ہی مدارِ فلاح قرار دیتے ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ خدا اپنے قانونِ مشیت کو کیسے توڑے گا؟

ہاں اگر اچھے اعمال کو فضلِ الٰہی قرار دے دیا جائے تو بات کسی طرح برنگِ تاویل درست ٹھہر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ فضلِ الٰہی کو ہمارے دانشور اعمالِ صالحہ ہرگز قرار نہیں دیتے بلکہ اعمال صالحہ سے ہٹ کر کسی اور چیز کو قرار دیتے ہیں۔ بظاہر تو اس میں خدا کے فضل کا ذکر ہوتا ہے مگر اصلاً اعمالِ صالحہ کو غیر اہم اور غیر مطلوب شے قرار دینا مقصود ہوتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ کلام الٰہی کی توہین ہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے (آمین)

آیت مذکورہ کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔

من جآء بالحسنة فله خیر منها ومن جآء بالسیئة فلا یجزی الذین عملوا
لسیئات الا ما کانوا یعملون۔ (قصص ۸۴/)

(اور جو کوئی اچھائی لائے گا۔ اس کے لیے اس اچھائی سے بڑھ کر اور بہتر جزا ہوگی اور جو برائی لائے گا تو اسکے لیے اس کی برائیوں کا ویسا ہی بدلہ ہوگا جو وہ کر کے آئیں گے۔)

ذوقوا ما کنتم تعملون۔(عنکبوت ۵۵/)

(اپنے برے اعمال کے بدلہ میں (جہنم کا عذاب) چکھو۔)

ومن کفر فلا یحزنك کفره الینا مرجعهم فننبئهم بما عملوا۔ (لقمان ۲۳/)

(اور جو کوئی کفر کرتا ہے تو اس کا کفر تجھے غمگین نہ کرے۔ بالآخر ہماری طرف اُنہیں لوٹ کر

آتا ہے۔ پھر ہم اُنہیں بتادیں گے، جو کچھ انہوں نے کیا۔)

یہاں بھی اعمال زیر بحث ہیں۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرایرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ (الزلزال ر ۸)

(جس شخص نے انتہائی معمولی نیکی کی ہوگی۔ وہ اسے ضرور دیکھے گا اور جس نے انتہائی معمولی بدی کی ہوگی وہ بھی اسے ضرور دیکھے گا۔)

خدا کا یہ اصول مکافات، قانون عدل پر قائم ہے۔ بدلہ خواہ نیکی کا ہو یا بدی کا۔ دونوں اسی قانون کے تابع ہیں۔ مگر کہیں کہیں نیکی کے بدلہ کو فضل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۹ میں آیا ہے۔

تلك الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علواً فی الارض ولافسادا والعاقبة للمتقین۔ (قصص ر ۸۳)

(یہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) ہم ان لوگوں کو دیں گے، جو زمین پر (یعنی اس دنیا میں) اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ ہی فساد۔ اور متقین کا انجام بہت اچھا ہے۔)

یہاں نیکی کے سلبی پہلو کو اختیار کیا گیا ہے یعنی زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہنا اور فساد برپا کرنا، جس طرح اعمالِ بد ہیں۔ اسی طرح ان کا ترک اعمال صالحہ میں شمار ہوگا۔ اس آیت میں برے اعمال کے ترک پر تقویٰ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور ان کے لیے اچھا انجام بتایا گیا ہے۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا۔

من جآء بالحسنة فله خیر منها ومن جآ ء بالسیئة فلا یجزی الذین عملوا لسیئات الا ما کانوایعملون۔ (قصص ر ۸۴)

(اور جو کوئی نیکی لائے گا اُسے اسکی نیکی سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو کوئی برائی لائے گا تو ایسے برے اعمال کرنے والوں کو انکے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بدی کا بدلہ مطابق عدل ہوگا اور نیکی کا مطابق فضل۔ لفظ خیر میں اضافہ اور ترقی کا مضمون موجود ہے یعنی نیکی کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا۔

والذین امنواوعملوالصلحت لنبوء نهم من الجنة غرفا تجری من تحتها الانهار خالدین فیها نعم اجرالعملین۔ الذین صبرواوعلیٰ ربهم یتو کلون۔ (عنکبوت ر ۵۸۔۵۹)

(اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیئے ہم ان کو جنت کے عالی شان محلات ضرور عطا کریں گے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا چھا اجر ہے۔ یہ وہ ہیں۔ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر مکمل بھروسہ کیا ہے۔)

یہاں صبر و توکل کو عاملین کی صفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے،۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت اور اسکی نعمتیں ان کارگزاروں اور باعمل لوگوں کے حصے میں آتی ہیں۔ جو ہر طرح کے حالات میں حق پر ثابت قدم رہتے ہیں اور کلی طور پر خود کو خدا کے سپرد کردیتے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں، جن کے بغیر نہ تو ہجرت ہوسکتی ہے اور نہ جہاد۔

ان اللذین امنو اوعملو الصلحت لھم جنت النعیم خلدین فیھا و عداللّٰہ حقا۔
(لقمان/۹)

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیئے۔ ان ہی کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے۔)

اُس جگہ مومنین و صالحین کے لیے جنت نعیم کی جزاء کو وعداللہ حقا یعنی اللہ کا سچا، برحق اور پورا ہونے والا وعدہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ایک قاعدہ اور قانون کا پابند ہے۔ جس کی پاسداری کا اُس نے خود وعدہ کررکھا ہے، اور وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا۔ اس لیے ازروئے قرآن، جنت فقط ایمان اور عمل صالح کے بدلہ میں ملتی ہے، یہی اس کا وعدہ ہے۔

من کفر فعلیه کفره ومن عمل صالحاً فلا نفسھم یمھدون ° لیجزی الذین
امنوا وعملو الصلحت من فضله انه لایحب الکافرین۔ (روم/۴۴ - ۴۵)

(جو کفر کرتا ہے۔ اس کا وبالِ کفر اُس پر ہے۔ اور جو لوگ صلاحیت والے کام کرتے ہیں تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے (جنت کا) سامان کرتے ہیں تا کہ وہ اُنہیں جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں، اپنے فضل سے بدلہ دے۔ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:

"اللہ تعالٰی نیک اعمال کی جو جزا دیتا ہے۔ یہ محض اس کا فضل ہے۔ اس میں بندوں کا استحقاق نہیں ہے بلکہ بندے جو نیک عمل کرتے ہیں وہ بھی اس کے فضل سے کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالٰی بندہ کو طاقت نہ دیتا اور اس کو نیک اعمال

کی توفیق نہ دیتا تو وہ کب کوئی نیک عمل کرسکتا تھا" ۔9

سعیدی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ قرآن کے مجموعی مفہوم کے خلاف ہے۔ نیک اعمال کی جزا بندوں کا حق ہے۔ جو خود اُس نے اپنے بندوں کو بخشا ہے۔ بندوں کا استحقاق، اس کے فضل پر، اُس کے وعدہ کے عین مطاق ہے، اس کا فضل، بندوں کے استحقاق سے ہی عبارت ہے۔ بندوں کے اچھے اعمال اس کے بخشے ہوئے اختیار سے واقع ہوتے ہیں۔ اگر اس میں خارجی جبر شامل ہوجائے۔ خواہ وہ فضل ہو یا کچھ اور۔ تو اس میں بندوں کا کیا کمال کہ جس کا بدلہ دیا جائے۔ اس مقام پر بڑے بڑوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے، جسے سمجھنے کی ضرورت ہے ۔

اس مقام پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

" من فضلہ کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اہل ایمان کو جو صلہ ملے گا۔ وہ محض ان کے اعمال کے پیمانے سے تول کرنہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے فضل کے مطابق ملے گا اور اللہ تعالٰی کا فضل ایسی چیز ہے کہ اس کا اندازہ ہم اپنے پیمانوں اور قیاسوں سے نہیں کر سکتے۔" ١٠

اصلاحیؒ نے جو کچھ لکھا ہے۔قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے۔

والوزن یومئذن الحق فمن ثقلت موازینہ فاولئک ھم المفلحون۔ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم بما کانوا بایتنا یظلمون۔ (الاعراف/٨۔٩)

(اور اُس دن اعمال کا وزن برحق ہے۔ پس جن کی نیکیاں بھاری ہونگی تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیاں ہلکی ہوں گی تو وہی اپنے جانوں کے خسارے میں ہوں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔)

اور ان آیات کی تفسیر میں خود اصلاحی صاحبؒ نے لکھا ہے:

" قیامت میں اللہ تعالٰی جو ترازو نصب فرمائے گا۔ وہ ہر ایک کے اعمال تول کر بتادے گی کہ اس میں حق کا کتنا حصہ ہے پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے یعنی حق کی مقدار ان کے ساتھ زیادہ ہوگی۔ وہ فلاح پانے والے بنیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ خائب و خاسر ہوں گے۔" ١١

اور سورۂ قارعہ میں اصلاحی صاحبؒ نے تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہر شخص کے اعمال تولے جائیں گے اس دن جو میزان نصب ہوگی وہ خاص میزان ہوگی، جو لوگوں کے اعمال کے تولنے کے لیے نصب کی جائیگی۔[12]

اکثر علماءِ تفسیر کا موقف ہے کہ قیامت کے دن اعمال کو وزن کرنے سے مراد اللہ کا عدل اور اسکی قضا ہے اور یہی ہمارا بھی مختار ہے۔

ہمارے نزدیک آیت زیر بحث میں فضل سے مراد، جنت ہے یا پھر اضافی بدلہ، جو اہل جنت کو جنت میں دیا جائے گا۔ ہمارے موقف کے حق میں یہ آیت ملاحظہ کیجئے۔

والذین امنواوعملوٰ الصٰلحت فی روضت الجنت لھم مایشآء من عندربھم ذلك ھوالفضل الکبیر۔ (الشوریٰ/۲۲)

(اور جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے۔ وہ جنت کے سرسبز و شاداب باغات میں ہوں گے اور ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس وہ سب کچھ ہے، جس کی وہ خواہش کریں اور یہی اُس کا فضل کبیر ہے۔)

یہاں بندوں کے جنت مقام ہونے اور وہاں ان کی خواہشوں کے پورا ہونے کو فضل کبیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت اعمال کے نتیجے میں ملتی ہے جسے فضل کہا جاتا ہے۔ گویا کہا جاسکتا ہے کہ فضل، اعمال کا نتیجہ ہے نہ کہ نتیجے کا سبب۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزآء بما کانوایعملون افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لایستون۔ الذین امنوا وعملوالصٰلحٰت فلھم جنٰت الماویٰ نزلاً بما کانوایعملون۔ (السجدہ/۱۷۔۱۹)

(پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے۔ تو کیا وہ جو مومن ہے۔ اس کی طرح ہوسکتا ہے، جو نافرمان ہے۔ وہ (دونوں) برابر نہیں ہوسکتے۔ وہ جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں تو ان کے لیے راحت کے باغات ہیں، اولین سامان ضیافت کے طور پر اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے۔)

ان آیات میں جزآء بما کانوایعملون۔ اور نزلا بما کانوا یعملون کی بلاغت پر نظر رہے تو عمل صالح کی اہمیت اور اس کے بدلے میں جنت کا مضمون، آپ سے آپ سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہی خدا کا قانون ہے اور یہی اس کی سنت، جو کبھی نہیں بدلتی۔ ولن تجدلسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔ (احزاب/۶۲)

ان آیات کے مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً جاثیہ/۲۱، ص/۲۸، حشر/۲۰۔ وغیرہ۔

والسابقون السابقون، أولیك المقربون فی جنت النعیم ثلة من الاولین ٭ وقلیل من الا خرین ٭ علیٰ سرر موضونة ٭ متکئین علیها متقبلین ٭ یطوف علیهم ولدان مخلدون ٭ باکواب واباریق وکاس من معین ٭ لایصدعون عنها ولاینزفون ٭ وفاکهة مما یتخیرون ٭ ولحم طیر مما یشتهون وحور عین ٭ کامثال اللولوء المکنون ٭ (واقعہ/۱۰۔۲۳)

(اور آگے بڑھنے والے سب سے آگے ہی ہیں۔ وہی مقرب ہیں۔ نعمتوں والے باغات میں ایک بڑی جماعت، اگلوں میں سے اور چھوٹی جماعت پچھلوں میں سے، مرصع مسندوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے۔ ان کے گرد ہمیشہ یکساں حالت میں رہنے والے (یا زیورات سے مرصع) لڑکے پھر رہے ہوں گے آب خورے اور لوٹے اور خالص پینے کے پیالے، لیے ہوئے، جس سے انہیں نہ دردسر ہوگا اور نہ انکی عقل میں فتور۔ اور پسندیدہ میوہ جات۔ اور پرندوں کا گوشت، جس کی وہ خواہش کریں اور خوبصورت حوریں، محفوظ موتیوں کی طرح۔)

ان آیات میں اہل جنت کے عیش و آرام کو بہت دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آخر میں فرمایا گیا ہے۔ جزآءً بما کانوا یعملون (واقعہ/۲۴) صلہ ان کے اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ ان آیات کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں۔

"آخرت کی تمام نعمتوں کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔"

اس عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

(اعمالِ صالحہ) "یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے بندہ اس کے فضل کے سبب سے ایمان لاتا ہے۔ اس کے فضل سے نیک اعمال کرتا ہے اور اس کے فضل سے ایمان اور اعمالِ صالح پر قائم رہتا ہے۔.........الواقعہ/۲۴ میں آخرت کی ان نعمتوں کی نسبت مسلمانوں کے نیک اعمال کی طرف ہے اور (الدخان ۵۱۔۵۷) میں ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کی طرف کی ہے۔ اور اول الذکر سبب ظاہری ہے اور ثانی الذکر سبب حقیقی ہے۔"[۱۳]

اس مقام پر چونکہ اللہ تعالیٰ نے، جنت اور اسکی نعمتوں کا سبب اعمال صالحہ کو قرار دیا ہے اس لیے ہونا یہ چاہیئے تھا کہ سعیدی صاحب اس سبب کو ملحوظ رکھ کر کلام کرتے۔ مگر انہوں نے سبب ظاہری اور سبب حقیقی کی اصطلاحات بیان کر کے آیت مذکورہ سے مستفاد مفہوم سے ہٹ کر، سرخی جمائی ہے۔ اور سبب ظاہری (یعنی اعمال صالحہ) کی اہمیت کو کم کر کے پیش کیا ہے۔ ہم قبل ازیں بھی بتا چکے ہیں کہ اعمال صالحہ کو فضل الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ دخان میں اور بعض دیگر مقامات پر اس طرح آیا ہے تو اُس سے مراد بھی اعمال صالحہ ہی ہیں۔ اعمال صالحہ سے ہٹ کر کوئی اور چیز نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک سبب ظاہری اور سبب حقیقی کا فرق بھی نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ لوگوں کو اعمالِ صالحہ سے دور کرنے کا سبب بھی ہے۔ اس طرح کی غلطیاں ہماری تفسیروں میں اکثر دُہرائی گئی ہیں۔

جزاۤؤبما کانوایعملون کی تفسیر مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بہت عمدہ کی ہے۔ آپ بھی پڑھیے۔ فرماتے ہیں:

"یہ وہ اصل سرفرازی ہے، جو ان جانبازوں کو حاصل ہوگی۔ فرمایا کہ یہ جو کچھ ان کو ملے گا۔ ان کے اعمال کے بدلہ میں ملے گا۔ اس کے وہ حقدار ہوں گے اور رب کریم لازماً ان کا یہ حق ادا کرے گا انسان کی فطرت کے اس پہلو پر نظر رہے کہ اسکی نگاہوں مین جو قدر و قیمت اُس چیز کی ہوتی ہے۔ جو اس نے اپنے حق کے طور پر حاصل کی ہو، وہ قدر و قیمت اس چیز کی نہیں ہوتی، جو اس کو اتفاقاً حاصل ہوگئی ہو یا بطور صدقہ ملی۔ خواہ یہ پہلے پہل کے مقابل میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔"[۱۴]

اور ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں۔

"......یہ جنت تمھارے اعمال کے صلے میں عطا ہوئی ہے۔ یعنی یہ محض تم پر انعام نہیں بلکہ یہ تمھارا حق بھی ہے۔ اگر کوئی عزت افزائی بلا استحقاق ہوتو دل کو اس سے سچی خوشی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس وجہ سے اُس نے جنت کو مجرد فضل و احسان کے بجائے اہل جنت کا حق اور ان کی ان نعمتوں کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ جو حق کی راہ میں انہوں نے دنیا کے اندر جھیلی ہیں۔"[۱۵]

یوم یبعثھم اللّٰہ جمیعا فینبئھم بماعملوا احصٰہ اللّٰہ ونسوہ واللّٰہ علیٰ کل

شیء شهید۔(المجادلہ/۶)

(جس روز اللہ سب کو اٹھائے گا۔ پھر انہیں ان کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دے گا۔ جن کاموں کو اللہ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا نگراں ہے۔)

اس سورۃ کی اگلی آیت میں آتا ہے۔

ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامہ۔(المجادلہ/۷)

(پھر قیامت کے دن اللہ ان کو ان کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دے گا۔)

سورۂ مجادلہ کی ان ہر دو آیتوں میں انسانوں کو ان کے اعمال کی خبر دینے کا مطلب جزا و سزا دینا ہے۔اعمال تو پھر اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے خفیہ رازوں، بھیدوں اور سرگوشیوں تک کی سب خبر رکھتا ہے۔اور ان پر بھی انہیں جزا و سزا دے گا۔ منافقوں کے تعلق سے ایک مقام پر آیا ہے۔

الم یعلموا ان اللّٰہ یعلم سرھم و نجوٰھم ۔(التوبہ/۷۸)

(کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ان کی راز کی باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے۔ اس طرح کفارے کے تعلق سے آیا ہے۔)

ام یحسبون انالا نسمع سرھم و نجواھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون۔
(زخرف/۸۰)

(یا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، کیوں نہیں، اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں۔)

ان آیات میں انسانوں کی سربستہ باتوں اور خفیہ رازوں کو سننے اور جاننے اور ملائکہ کے لکھنے کا ذکر بلاوجہ تو نہیں آیا۔ یہ سب کچھ اس لیے آیا ہے کہ ان پر جزا و سزا کا قانون مرتب ہو۔

زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل بلیٰ وربی لتبعثن ثم لتنبئون بما عملتم۔
(التغابن/۷)

(کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تمہیں ضرور اس کی خبر دی جائی گی، جو تم نے عمل کئے۔)

یہاں کافروں کو بھی ان کے اعمال کے حوالے سے ڈرایا جارہا ہے۔عمل خواہ کافروں کا ہو یا مومنوں کا بہر دو صورت اپنے نتائج کے اعتبار سے ناگزیر ہوتا ہے۔جس طرح ایک کا نتیجہ جہنم ہے اس

طرح دوسرے کا نتیجہ جنت ہے۔ ہر طرف ہر جگہ، اعمال ہی کی پوچھ ہے۔

ینبوء ا الانسان یومئذبما قدم واخر۔ (قیامۃ/۱۳)

(اس دن انسان کو بتادیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔)

علمت نفس ماقدمت و اخرت۔ (انفطار/۵)

(ہر شخص جان لے گا، جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے رکھا۔)

انانحن نحی الموتیٰ ونکتب ماقد موا واثارھم و کل شیء احصینٰہ فی امام مبین۔ (یٰسین/۱۲)

(بیشک ہم ہی تو مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم وہ سب کچھ لکھ رہے ہیں جو (اعمال) وہ آگے بھیج چکے ہیں۔ اور ان کے اثرات (جو پیچھے رہ گئے ہیں) اور ہرو چیز کو ہم نے روشن کتاب (لوح محفوظ) میں احاطہ کرر کھا ہے۔)

ان آیات میں نہ صرف انسانی اعمال بلکہ ان کی باقیات تک کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ اعمال حقیقی صورت میں یا پھر آثار کی صورت میں موجود رہتے ہیں۔ ان پر بھی جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔

ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین ممافیہ ویقولون یوٰیلتنا مال ھذاالکتاب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الااحصٰھا وو جدوا ماعملوا حاضرا۔ (الکہف/۴۹)

(اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پھر تو مجرموں کو (نامہ اعمال کی) تحریر سے خوفزدہ دیکھے گا۔ مجرمین یہ کہیں گے۔ ہائے ہماری بدبختی۔ یہ کیسا دفتر اعمال ہے۔ جس نے کوئی چھوٹا دیکھا نہ بڑا۔ سب کچھ لکھ رکھتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ کیا ہوگا۔ وہ سب موجود پائیں گے۔)

واذالجحیم سعرت٭ واذالجنۃ ازلفت٭ علمت نفس ما احضرت۔ (تکویر/۱۲۔۱۴)

(اور جب دو رخ بھڑ کائی جائے گی اور جب جنت قریب کردی جائیگی۔ تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا لایا ہے؟)

وان علیکم لحافظین٭ کراماً کاتبین٭ یعلمون ماتفعلون۔ (انفطار/۱۰۔۱۲)

(اور یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔)

اس مقام پر ماتفعلون پر توجہ رہے۔ کیونکہ اسی بنیاد پر نعیم وجحیم کا فیصلہ ٹھہرا ہے۔

ان الابرارلفی نعیم ٭ وان الفحار لفی حجیم ٭ یصلونھا یومالدین ٭ وماھم عنھابغائبین ٭(انفطار/۱۳۔۱۶)

(یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بُرے لوگ یقیناً دوزخ میں ہوں گے۔ فیصلے کے دن اس میں جا پڑیں گے۔ وہ اس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے۔)

ان تمام آیات میں اعمال انسانی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں جنت یا جہنم ملتی ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یایھاالذین امنواھل ادلکم علیٰ تحارۃ تنحیکم من عذاب الیم ٭ تومنون باللّٰہ ورسولہ وتحاھدون فی سبیل اللّٰہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون یغفرلکم ذنوبکم وید خلکم جنت تحری من تحتھاالانھارومساکن طیبۃ فی جنت عدن۔ (الصف/۱۰۔۱۲)

(اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت (نہ) بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔ وہ تمہارے گناہوں سے تمھاری حفاظت کرے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور عمدہ محلات میں داخل کرے گا۔ جو ابد کے باغوں میں واقع ہیں۔)

آیت میں تومنون اور تجاھدون، کے الفاظ بظاہر خبر کا اسلوب لیے ہوئے ہیں لیکن معناً امر واقع ہوئے ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب امر یا نہی میں موعظت اور نصیحت کا مضمون پیدا کرنا مقصود ہو تو انہیں خبر یہ اسلوب کے پیرائے میں بیان کرایا جاتا ہے۔

آیت میں ایمان کے بعد عمل صالح کی جگہ اموال ونفوس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ مغفرت اور ابدالآباد کی جنت بتایا گیا ہے اس جگہ عملِ صالح کی جگہ معین ومشخص عمل صالح کے قائم مقام کردیا گیا ہے اس سے اُس معین ومشخص نیکی کی اہمیت اور عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

آیتِ بالا میں موجود حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ان اللّٰہاشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الحنۃ۔ (التوبہ/۱۱۱)

(بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کے بدلے میں جنت کا سودا کرلیا ہے۔) مطلب یہ کہ جنت مومنوں کو ان کے اموال ونفوس کے تعلق سے ملے گی۔ یہاں اموال ونفوس کا حوالہ اعمال صالحہ کی تعبیر کے لیے وارد ہوا ہے۔

یٰعباد لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون ° الذین امنوابایٰتنا وکانوامسلمین ° ادخلوا الجنة انتم وازواجکم تحبرون ° یطاف علیھم بصحاف من ذھب واکواب وفیھاماتشتھیه الانفس وتلذالاعین وانتم فیھا خلدون ° وتلك الجنة التی اورثتموھا بماکنتم تعملون ° لکم فیھا فاکھة کثیرة منھاتاکلون۔ (زخرف ۶۸/ تا ۷۳)

(اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار ہیں۔ تم اور تمھارے ہم خیال و ہم اعمال جنت میں داخل ہوجاؤ۔ ہنسی خوشی۔ ان پر سونے کی پلیٹیں اور پیالے لیے پھریں گے اور وہاں وہ سب کچھ ہے۔ جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں لذت یاب ہوں اور تم اس میں ہمیشہ رہوگے اور یہ وہ جنت ہے، جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہت پھل ہیں، جن سے تم کھاؤ گے۔)

ان آیات میں جنت اور اس کی آسائشات کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے ملنے کا سبب، صالح اعمال کو قرار دیا گیا ہے۔ گویا جنت کی وراثت اہل ایمان کے اعمال کے ساتھ جوڑدی گئی ہے۔ اتنی واضح اور کھلی ہوئی حقیقت سے چشم پوشی، ہماری سمجھ سے بالا تر ہے۔

مزید یہ کہ اس مقام پر ایمان کا مورد کلامِ الٰہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ اور کلام الٰہی کی فرمانبرداری کو اس سے مشروط کردیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ ایمان کے مدعی ہیں لیکن قرآنی احکام پر عمل نہیں کرتے۔ وہ اس بشارت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ حضور اکرمؐ خود قرآن کی پیروی کے پابند تھے۔

و امرت ان اکون من المسلمین ° و ان اتلوالقران۔ (النمل ۹۱/ ۔ ۹۲)

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ فرمانبرداروں میں رہوں اور یہ کہ میں قرآن کی پیروی کروں۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی پیروی کو ہی سنتِ رسول اور قرآن کی اصطلاح میں "اطاعت رسول" کہا جاتا ہے۔

یاایھاالذین امنوا توبوا الی اللّٰہ توبة نصوحا عسیٰ ربکم ان یکفرعنکم

سیاتکم و یدخلکم جنٰت تجری من تحتھاالا نہار۔ (تحریم/۸)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے حضور (اپنے اعمالِ بد سے) توبہء خالص کرو اور امید رکھو کہ تمھارا پروردگار تم سے تمھاری برائیوں کو دور کردے اور تمہیں (ایسے) باغوں میں داخل کرے، جہاں نہریں بہتی ہیں۔)

اس مقام پر جنت کو عمل توبہ سے مشروط کیا گیا ہے۔ توبہ کیا ہے؟ اعمال بد کو ترک کر کے اعمالِ صالحہ کی طرف آنا۔ ایسے تائبین کو اپنے گناہوں کے اثراتِ بد کے زوال کی امید رکھنا چاہئے۔ یہ سب کچھ خدائی پروگرام کے تحت بپا ہونے والا ایک قانون ہے۔ یعنی توبۂ خالص کے نتیجے میں سیئات کے مٹ جانے کا قانون۔ جس کے نتیجے میں مژدۂ جنت سنایا گیا ہے۔

کل نفس بماکسبت رھینۃ الا اصحٰب الیمین ° فی جنٰت یتسآءلون ° عن المجرمین ماسلککم فی سقر ° قالوا لم نک من المصلین ° ولم نک نطعم المسکین ° وکنا نخوض مع الخائضین ° وکنا نکذب بیوم الدین ° حتیٰ اتنا الیقین ۔ (المدثر/ ۳۸۔۴۷)

(ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہوگا۔ سوائے سیدھے ہاتھ والوں کے وہ باغوں میں ہوں گے۔ باہم پوچھ گچھ کررہے ہوں گے۔ مجرموں کے باب میں پھر دوزخیوں سے پوچھیں گے تم سقر میں کیسے پہنچے؟ کہیں گے، ہم مصلین میں سے نہ تھے۔ اور نہ ہم غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے بلکہ ہم مین میکھ نکالنے والوں کے ساتھ مل کر مین میکھ نکالا کرتے تھے۔ اور ہم فیصلہ کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت نے پکڑلیا۔)

رب کا قانون مکافاتِ عمل اور ردِ عمل سے بندھا ہوا ہے جس طرح ہر معلول اپنی علت کے ساتھ ہر مسبب اپنے سبب کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اس قانون کی وضاحت اوپر کی آیات سے ہوتی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں گروی ہوگا۔ صرف داہنے ہاتھ والے ہی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ بالفاظ دیگر عمل سے ہی فلاح ہوگی اور عمل سے ہی ہلاکت۔ اس دن رہائی کی صورت، بجز اپنے اعمال کے، کوئی نہیں، جس کی تیاری کا وقت یہی دنیا ہے آنکھ بند ہونے کے بعد نتیجہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

یہاں جہنم میں جانے کے چار اسباب بتائے گئے ہیں۔ مجرموں کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔

ا۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے / ہم متبعین میں سے نہیں تھے۔
۲۔ ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔
۳۔ (قرآن کو ماننے کے بجائے) اس میں اجتماعی طور پر مین میکھ نکالا کرتے تھے۔
۴۔ جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے تھے۔

مذکورہ بالا چار جرائم میں سے تین کا تعلق اعمال کی دنیا سے ہے اور ایک کا تعلق عقائد کی دنیا سے ہے۔ اگر کوئی شخص بعد الموت جزا و سزا کا قائل نہ ہو تو اسکا طرزِ زندگی لامحالہ اُس کے اسی عقیدے کا نمائندہ ہوگا۔ پھر ایسے شخص سے کسی خیر و خوبی کی توقع رکھنا بھی فضول ہوگا۔ کیونکہ اعمالِ انسانی کی درستگی میں بنیادی جوہر اسی عقیدہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان دل سے تسلیم کر لے کہ مرنے کے بعد اس کے ہر ہر عمل کا بدلہ ضرور مل کر رہے گا تو وہ کسی بھی عمل کو کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے گا کہ اسے کرنا چاہئے یا نہیں؟

اعمالِ صالحہ کی انجام دہی اسی عقیدہ کی رہین منت ہے۔ اسلام نے توحید و رسالت کے ساتھ اسے بھی اساسی عقیدہ قرار دیا ہے۔ عقیدہ کو عملی نظریہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کی پیدائش اور اسکی افزونی کا سبب بنتا ہے۔ عقیدہ صرف کسی حقیقت کو مان لینے کا نام نہیں بلکہ وہ تحرک و تعمل سے عبارت ہے۔ اور اسی معنی میں اسے عملی نظریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ومن یومن باللّٰہ ویعمل صٰلحا یدخلہ جنٰت تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ابدا۔ (الطلاق/۱۱)

(جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور موزونیت و قابلیت والے امور انجام دیتے ہیں اللہ انہیں بہشت میں داخل کرے گا۔ جہاں نہریں جاری ہیں اور جہاں کی رہائش مستقل ہے۔)

ایمان اور عملِ صالح کو ایک ساتھ بار بار بیان کیا گیا ہے۔ جس سے اس امر کی نشاندھی ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک ساتھ مطلوب ہیں۔ یعنی فقط دعویٰ ایمان قبول نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ عمل صالح کی دلیل نہ ہو۔ دراصل ایمان اور عملِ صالح ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کا تکملہ ہیں۔ ایمان کا نور انسان کے اعمال کو روشن کر دیتا ہے۔ اگر اعمال منور نہ ہوں تو سمجھ لیجئے کہ ایمان کا نور اندر سے بجھ چکا ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کسی جگہ چراغ روشن ہو۔ اور روشنی سے چراغ کا ماحول منور نہ ہو۔

لئن اقم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللّٰہ

قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاتکم ولادخلنکم جنت تجری من تحتھاالانھار۔(المائدہ/۱۲)

(اگر تم نے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فرض ادا کیا اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور اپنی مدد سے انہیں مضبوط کیا اور اللہ کو قرضِ حسن دیا تو میں ضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کروں گااور ضرور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا، جسکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔)

اس آیت میں حصولِ جنت کے لیے جن اعمال کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ وہ سب اعمالِ صالحہ میں سے ہیں۔کیا کوئی بغیر عملِ صالح جنت میں جائے گا؟

من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا۔(الجاثیہ/۱۵)(حٰمٓ السجدہ/۴۶)

(جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے۔ وہ اپنی بھلائی کے لیے ہی کرتا ہے۔ اور جو برا عمل کرتا ہے۔ اُس کا وبال بھی اُس پر ہوگا۔)

ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وھم لایظلمون (جاثیہ/۲۲)

(اور تا کہ ہر نفس کو اُسکے کیے کا بدلہ ملے اور ان پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔)

لکن الرسول والذین امنوامعہ جھدوا باموالھم وانفسھم واولئك لھم الخیرات واولئك ھم المفلحون اعداللّٰہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا ذلك الفوزالعظیم۔ (التوبہ/۸۸۔۸۹)

(مگر رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اور انہیں کے لیے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کیئے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہی میں رہیں گے اور یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔)

یہاں بھی مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے لیے جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ یعنی حصولِ جنت کے لیے مال بھی لگانا پڑے گا اور جان بھی لڑانی پڑے گی، تب کہیں جا کر جنت ملے گی۔ جنت اتنی سستی نہیں کہ مفت میں مل جائے۔

للذین احسنواالحسنیٰ وزیادہ ولایرھق وجوھھم قترولاذلہ اولئك اصحب الجنۃ ھم فیھا خلدون والذین کسبواالسیئات جزآء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلہ مالھم من اللّٰہ من عاصم کانما اغشیت وجوھھم قطعا من

اللیل مظلما اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون" (یونس/۲۶۔۲۷)

(جو نیکیاں کرتے ہیں، ان کا انجام بھی نیک ہے اور (وہ انجام) موجب ترقی بھی ہے۔ ان کے چہرے نہ تو سیاہ ہوں گے اور نہ بدرونق۔ یہی لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو بدیاں کرتے ہیں تو برائی کا بدلہ اُس کی مثل (یعنی برا انجام) ہے۔ اور ان پر ذلت چھا جائے گی، کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہروں پر ظلمت شب کی چادر ڈال دی گئی ہے۔ یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے۔)

ان ہر دو آیات میں متصلاً جنت اور دوزخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دونوں جگہ اعمال کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سیئہ کا تو ذکر ہے مگر ایمان اور کفر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ وجہ اس کی صاف ہے کہ بالعموم ایمان اور کفر اپنے کردار اور رویئے سے ثابت اور معلوم ہوتے ہیں۔ اچھے کردار کا ذکر خود اس امر کو مستلزم ہے کہ وہاں ایمان لازماً موجود ہوگا اور برے کردار کا حوالہ کفر کو مستلزم ہوتا ہے۔

کل امة تدعی الیٰ کتٰبھا الیوم تجزون ماکنتم تعملون" ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق اناکنا نستنسخ ماکنتم تعملون" فاماالذین امنوا وعملوالصٰلحت فید خلھم ر بھم فی رحمته ذلك ھوالفوزالمبین۔ (الجاثیہ/۲۸۔۳۰)

(ہر گروہ اپنے دفتر اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا۔ جو تم عمل کرتے تھے۔ یہ ہمارا دفتر ہے، جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتا ہے۔ ہم لکھواتے رہتے ہیں جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ بس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے صالح اعمال ادا کیے، تو انہیں ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ بہت روشن کامیابی ہے۔)

آیت نمبر ۳۰ میں رحمت سے مراد جنت کو لیا گیا ہے۔ اس مراد کی وضاحت ایک روایت میں اس طرح آئی ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ للجنة انت رحمتی ارحم بك من اشاء من عبادی۔[۱۶]

(اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا تو میری رحمت ہے۔ تیرے ذریعے (یعنی تجھ میں داخل کرکے) میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔)

فلم یك ینفعھم ایمانھم لماراؤاباسنا سنت اللّٰه التی قدخلت فی عبادہ وخسرھنالك الکافرون"(المومن/۸۵)

(پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کا ایمان، ان کے لیے بے سود ثابت ہوا۔ یہی اللہ کی سنت ہے جو اسکے بندوں میں چلی آئی ہے۔ اور وہاں کافر لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔)

جو لوگ فقط زبان سے اقرار کر لینے کو ایمان سمجھتے ہیں۔ اور پھر اس ایمان کو ذریعۂ نجات مانتے ہیں۔ وہ اس آیت سے ہدایت لیں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ " ایمان" کا غیر منتفع ہونا بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ لمارا وا باسنا میں مذکور ہوئی۔ یعنی جب ہماری سختی اور پکڑ آپہنچے تو پھر ایمان سے بھی نفع نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اصل چیز انسان کا کردار ہے، جو اس کے ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور پھر ایسا ایمان کبھی غیر منتفع نہیں ہوتا۔ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان کی عدم قبولیت کا مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔

افنجعل المسلمین کالمجرمین ۔ مالکم کیف تحکمون ۔ (القلم/۳۵ ۔ ۳۶)

(کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کردیں گے ۔ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسا فیصلہ کررہے ہو؟)

ام نجعل الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار ۔ (سورہ ص/۲۸)

(کیا ہم ایمان والوں کو اور اچھا عمل کرنے والوں کو ان کے برابر کردیں گے، جو زمین میں فساد کرتے رہے ہیں یا ہم متقین کو فجار کے برابر کردیں گے۔)

جنت میں داخلہ، ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر ہوگا۔ جیسا کہ قرآن میں جابجا یہی مضمون دہرایا گیا ہے۔ ان آیات میں مزید واضح کردیا گیا ہے کہ انجام کے اعتبار سے مسلمین اور مجرمین یکساں نہیں ہوسکتے۔ مومن صالح اور مفسدِ ارض برابر نہیں ہوسکتے متقین اور فجار کے انجام میں مساوات نہیں ہوسکتی۔ آخر کیوں؟

اس لیے کہ یہ رب تعالیٰ کے اعلانِ عدل کے خلاف ہے اور وہ اپنا قانون کیسے توڑ سکتا ہے۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جنت صرف میرٹ کی بنیاد پر ملتی ہے۔ دنیا میں جہاں بھی میرٹ کا نظام قائم ہے وہاں صلاحیت وخوبی کی جلوہ گری ہے۔ اور جہاں بھی میرٹ کا قتل ہوا ہے۔ وہاں خرابی اور بربادی کی سبیل قائم ہوئی ہے۔ اس بات کو معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔

حیف ہے ان لوگوں پر جو جان بوجھ کر استہزاء آیات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے صریح اور واضح مفہوم کو کچھ کا کچھ بنادیتے ہیں۔ قرآن کو ماننے کے باوجود اس کی تکذیب کرتے رہتے

ہیں۔ ان کی تحریرات قرآن کی تکذیب سے بھری پڑی ہیں۔ اے کاش! وہ دل سے مومن ہوجائیں اور قرآن پر ویسا ہی ایمان رکھیں جیسا دورِ رسالت مآب میں رکھا جاتا تھا۔

واذاسمعوااللغواعرضواعنه وقالولنا اعمالنا ولکم اعمالکم۔ (قصص/۵۵)

(اور جب لغویات سنتے ہیں۔ تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔)

اہلِ ایمان کی زبان سے بھی یہی حقیقت کہلوائی گئی ہے کہ وہ اہلِ حق کے منکروں سے دین کی مخالفت میں فضول بات کرنے والوں سے اللہ کے قانونِ مکافات کو بیان کردیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں یعنی جو کچھ ہم کررہے ہیں، ہمیں اس کا نتیجہ ملے گا اور جو کچھ تم کررہے ہو، تمہیں اس کا نتیجہ اور بدلہ ملے گا یعنی ہمارے اور تمہارے دونوں کے اعمال، ضرور نتیجہ خیز ہوں گے، جو بالآخر جنت اور دوزخ پر منتج ہوجائیں گے۔

ایمان کی حیثیت اگر ایک باغ کی فرض کی جائے تو عمل کی حیثیت اس باغ کو تروتازہ اور سرسبز و شاداب رکھنے کی ہوگی۔ ایمان کا باغ اعمالِ صالحہ سے تروتازہ اور سرسبز و شاداب رہتا ہے، ورنہ سوکھ جاتا ہے۔

الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه. (فاطر/۱۰)

(اس پاک کلمے کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے۔)

یعنی ایمان کی تکمیل و تصعید اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو مجرد ایمان کس کام کا ہے؟

الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمة طیبةً کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السمآء. (ابراھیم/۲۴)

(کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی مثال کیسے بیان کی ہے۔
جیسے ایک پاکیزہ درخت، جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں بلندی میں (پھیلی ہوئی) ہیں۔ اور وہ اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے اللہ کے اذن سے۔)

یہاں کلمۂ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دینے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس طرح درخت پانی کا محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔ اسی طرح پاک کلمہ یا پاکیزہ بات کا اختیار کرنا بھی کافی نہیں ہوتا اسے عمل کے پانی سے سیراب کرنا ضروری ہے۔

اس مثال میں اصل سے مراد ایمان اور فرع سے مراد عمل صالح ہے۔

والذین امنوا و عملوالصلحت لنکفرن عنھم سینا تھم ولنجز ینھم احسن الذی کانوا یعملون ؐ (عنکبوت/۷)

(اور جو ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔ ہم ضرور اُن سے ان کی برائیاں دور کردیں گے اور ہم ضرور اُنہیں ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دینگے۔)

عمل صالح کرنے والوں سے ان کی برائیاں دور کرنے کا مفہوم قابلِ توجہ ہے۔عمل صالح کے نتیجے میں سیئات ذائل ہوجاتے ہیں۔جس طرح صحت کے نتیجے میں بیماری اور طاقت کے نتیجے میں ناطاقتی زائل ہوجاتی ہے۔ یہ وہی حقیقت ہے، جو بایں الفاظ ادا ہوتی ہے۔

ان الحسنت یذھبن السینات.(ھود/۱۱۴)

(بے شک اچھائیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔)

مگر لنکفرن عنھم سیاتھم کو اس طرح بھی سمجھا گیا ہے کہ یہاں اسلام لانے کے بعد کفار کے اعمال سابقہ مراد ہوں۔

لیکفر اللہ عنھم اسواالذی عملوٗ ویجز یھم اجرھم باحسن الذی کانوایعملون . (زمر/۳۵)

(تا کہ اللہ ان سے وہ بہت برے عمل دور کرے، جو انہوں نے کیے اور ان کو ان کے بہترین اعمال کا بدلہ دے۔ جو وہ کرتے تھے۔)

اس آیت کا مفہوم بھی وہی ہے، جو سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۷ کی تفسیر میں مذکور ہوا۔

ورق تمام ہوا اور شرح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

حواشی وحوالہ جات

۱۔تبیان القران، جلد اول، ص ۳۳۲، فرید بک اسٹال، لاہور، بارِ سوم، ۱۹۹۹ء

۲۔ ایضاً، جلد دوئم، ص ۶۹۹، بارِدوم، ۲۰۰۱ء

۳۔ ایمان وعمل کا قرآنی تصور، ص ۲۰۸، دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۶ء

۴۔ تدبرِ قرآن، جلد سوم، ص ۲۰۸، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، بارِ سوم، ۱۹۸۸ء

۵۔ تبیان القرآن، جلد پنجم، ص ۳۵۴، ۲۰۰۰ء

۶۔ تدبر قرآن، جلد پنجم، ص ۶۹، بارِ دوم، ۱۹۸۶ء

۷۔ تفسیر احسن البیان، صلاح الدین یوسف، ص ۹۸۰، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عربیہ، س ن

۸۔ تدبر قرآن، جلد پنجم، ص ۴۵۹

۹۔ تبیان القرآن، جلد نہم، ص ۲۰۱، بارِ اول، ۲۰۰۴ء

۱۰۔ تدبرِ قرآن، جلد ششم، ص ۱۰۷، بارِ چہارم، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ ایضاً، جلد سوم، ص ۲۲۴، بارِ سوم، ۱۹۸۸ء

۱۲۔ تدبرِ قرآن، جلد نہم، ص ۵۱۴، بارِ دوم، ۱۹۸۳ء

۱۳۔ تبیان القرآن، جلد ۱۱، ص ۲۲۰

۱۴۔ تدبر قرآن، جلد ہشتم، ص ۱۶۵، بارِ دوم، ۱۹۸۲ء

۱۵۔ تدبر قرآن، (حاشیہ زیر آیت سورہ زخرف ۴۳/۷۲) جلد ہفتم، ص ۲۵۳، بارِ چہارم، ۱۹۸۸ء

۱۶۔ صحیح بخاری، باب ۸۵۷۔ رقم الحدیث ۱۹۵۸، فرید بک اسٹال، اردو بازار لاہور۔

ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں

(جلد سوم)

مصنف

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی

قرطاس

ادارۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کی کتاب ''ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں'' چند اہم ایرانی مفسرین اوران کی فارسی تفاسیر کے مطالعات پر مبنی ایک اہم کاوش ہے جسے ادارۂ قرطاس چار جلدوں میں پیش کررہا ہے۔ پہلی جلد میں چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کی اہم دستیاب تفاسیر کے مطالعے پیش کیے گئے ہیں جس کی ابتدا محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ر۹۲۳ء) کی مشہور و معروف تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کے فارسی ترجمے سے کی گئی ہے کہ ابھی تک کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلی فارسی تفسیر اسی کو مانا گیا ہے۔

اس جلد کا خاتمہ ''تاج التراجم'' پر ہوا ہے جس کے مفسر عماد الدین ابو المظفر طاہر شہفور بن محمد اسفرائینی ہیں جو نظام الملک طوسی (م ۴۸۵ء) کے ہمعصر تھے۔

دوسری جلد میں چھٹی صدی ہجری تک کی دستیاب اہم فارسی تفاسیر مثلاً تفسیر سورابادی، تفسیر نسفی، کشف الاسرار وعدۃ الابرار اور روض الجنان وروح الجنان فی تفسیر قرآن پر مطالعات شامل ہیں۔

زیر نظر تیسری جلد گیارہویں صدی ہجری تک کی مشہور اور دستیاب فارسی تفاسیر کے تجزیاتی مقالات پر مبنی ہے جن میں اسرار الفاتحہ، حدائق الحقائق، تفسیر شاہی، منہج الصادقین اور تفسیر شریف لاہیجی شامل ہیں۔

اس سلسلہ کی آخری چوتھی جلد ان شاء اللہ بارہویں تا چودہویں صدی ہجری تک کے فارسی تفسیری مطالعات پر مبنی ہوگی۔

ISBN NO. 978-969-8448-39-6

Price: Rs. 200/-